ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

اقبال کا تصورِ خودی و بے خودی (نثرِ اقبال کی روشنی میں_ اجمالی جائزہ)

IQBAL'S CONCEPT OF "KHUDI –O- BEKHUDI"

(In the Light of Iqbal's Prose – An Overview)

***ڈاکٹر وقار سلیم رانا**

ڈیپارٹمنٹ آف سکول ایجوکیشن، سمن آباد، فیصل آباد

****محسن نواز بسراء**

پی ایچ۔ڈی اردو (سکالر)، جی۔سی یونیورسٹی، لاہور

*****ڈاکٹر فوزیہ شہزادی**

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو (وزیٹنگ)، ڈویژن آف ایجوکیشن، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Abstract:

The concept of "Khudi" occupies a central position among all the concepts or ideas of Iqbal. All other concepts of Iqbal are like interpretations of this theory of "Khudi". In short, the root of Iqbal's thought is this philosophy of "Khudi". According to Iqbal,"Khudi" means self-realization, self-understanding or self-awareness. Iqbal's philosophy is mainly influenced by Islamic teachings. To Iqbal, the word "Khudi" and the word "Bekhudi" are used in the same sense. "Khudi"(self-realization) relates to individual self,whereas the concept of "Bekhudi" refers to the society. Iqbal wants an individual to strengthen itself and then it should become a cause of the strength of the society.

Keywords

"Khudi", "Bekhudi", Self-Realization, Islam, Iqbal,Human being

کلیدی الفاظ: خودی، بے خودی ، عرفانِ ذات ،اسلام، اقبال، انسان

اقبال شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ مزاج کے حامل تھے۔انھوں نے نظم و نثر کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا اور انسانی زندگی کی متنوع جہات پر خامہ فرسائی کی۔ہر وہ تحریر جو اقبال نے اپنے ہاتھ سے لکھی یا جس کی املا اقبال نے خود لکھوائی، اس کا شمار اقبال کی نثر میں ہو گا۔اس ضمن میں اقبال کے مضامین و مقالات، خطوط، تقاریظ، دیباچے، انگریزی خطبات (The Reconstruction of Religious Thought in Islam)، ان کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ (The Development of Metaphysics in Persia)، ان کی ذاتی بیاض (نوٹ بک) (Stray Reflections) اور تاریخِ تصوف مرتبہ صابر کلوروی وغیرہ قابلِ مطالعہ ہیں۔ مجموعی اعتبار سے یہ تمام نگارشات اُردو اور انگریزی زبان میں ہیں ماسوا چند ایک خطوط جو کہ عربی، فارسی اور جرمن زبان میں ہیں۔ان نگارشات کے علاوہ اقبال کے بیانات، پیغامات، تراجم، آرا اور دیگر خطبات کا شمار اقبال کی نثر میں نہیں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

ہوتا۔اقبال کی نثر کا گراں قدر سرمایہ سیکڑوں صفحات پر محیط ہے، جو اقبال کی وسعتِ قلب و نظر کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے افکار و خیالات کی تشریح و تعبیر میں معاون و مددگار ہیں۔زیرِ نظر مقالہ میں اقبال کے اِنھیں نثری مآخذ کے پیشِ نظر تصورِ خودی و بے خودی کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔

''خودی'' فارسی زبان کا لفظ ہے جو کہ خود غرضی، خود پسندی، نخوت، تکبر اور غرور وغیرہ جیسے منفی معنوں میں مستعمل تھا[۱]۔اقبال نے لفظ ''خودی'' کو نئے مفاہیم و مطالب سے روشناس کراتے ہوئے انسانی کردار کی تعمیر و تشکیل کے لیے زادِ راہ تصور کیا۔اقبال مثنوی ''اسرارِ خودی'' کے دیباچے میں لفظ ''خودی'' اور لفظ ''بے خودی'' کے مفہوم کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا۔۔۔۔اس کا مفہوم محض احساسِ نفس یا تعینِ ذات ہے۔مرکب لفظ بے خودی میں بھی اس کا یہی مفہوم ہے۔''[۲]

۱۔احمد دہلوی، سید، مرتب: فرہنگِ آصفیہ، جلد دوم (دہلی، نیشنل اکاڈمی، 1974ء) ص ۲۱۱

۲۔محمد اقبال، دیباچۂ مثنوی اسرارِ خودی، مشمولہ: مقالاتِ اقبال، مرتبین: سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (لاہور، القمر انٹرپرائزز، ۲۰۱۱ء) ص ۱۹۸۔۱۹۹

گویا اقبال کے ہاں لفظ ''خودی'' اور لفظ ''بے خودی'' یکساں مفہوم رکھتے ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ اقبال فلسفۂ خودی میں شخصی اور انفرادی خودی جبکہ فلسفۂ بے خودی میں اجتماعی خودی کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔زیرِ نظر مقالہ میں یہ دونوں تصورات قابلِ مطالعہ ہیں۔

تصورِ خودی اقبال کے فکری نظام میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔اقبال کے دیگر تمام تصورات اسی نظریۂ خودی کی وضاحت و صراحت اور تشریح و تفسیر ہیں۔الغرض فکرِ اقبال کی اصل جڑ یہی فلسفۂ خودی ہے۔اقبال کے ہاں خودی سے مراد خود شناسی، خود فہمی، خود آگہی اور عرفانِ ذات وغیرہ ہے۔ اقبال کا فلسفۂ خودی اسلامی تعلیمات کے زیرِ اثر ہے جو کہ اپنے معانی و مفاہیم کے اعتبار سے کثیر الجہات اور ایک دقیق و عمیق تصور ہے۔اس حوالے سے اقبال اپنی نثری نگارشات میں لکھتے ہیں:

"The doctrine of self is not an easy thing to understand."[3]

کوئی بھی انسان جب اپنی تخلیق پر غور کرتا ہے تو وہ بہت سے سوالات کا متلاشی ہوتا ہے کہ اسے کس نے پیدا کیا ہے؟۔اس کی پیدائش کا مقصد و منشا کیا ہے؟۔اس کائنات اور اس کائنات کے خالق کے ساتھ اس کا رشتہ کیا ہے؟۔ان تمام سوالات تک رسائی تب ہی ممکن ہو گی جب انسان خود شناس ہو گا اور اسی خود شناسی کی بنا پر وہ اُس ذاتِ مطلق کو پہچانے گا ، جس نے اسے پیدا کیا۔انسان کو اس بات کا ادراک ہو گا کہ اللہ تعالیٰ مالکِ کل ہے۔اس ذاتِ واحد نے انسان کو اس کائنات میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا اور قرآن و حدیث کی صورت میں اپنے دینی احکامات تمام انسانوں تک پہنچائے ۔انسان کو اس کے تخلیقی مقاصد سے روشناس کرایا کہ انسان محض تن آسانی، کھیل کود اور وقت گزاری کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اُسے احکاماتِ الٰہی کی پاسداری کے لیے بنایا گیا ہے۔خیر و شر میں تمیز کرے۔اس کائنات کی تخلیق پر تفکر و تدبر کرے۔اس کائنات کے سربستہ رازوں سے آشنا ہو۔دوسروں کے زورِ بازو پر اکتفا کرنے کی بجائے اپنی محنت و تگ و تاز کے کس بل پر نئے جہاں آباد کرے۔ الغرض ان تمام امور سے آگہی تب ہی ممکن ہو گی جب انسان خود شناس ہو گا۔

انسان کے کاندھوں پر بے شمار مذہبی اور سماجی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔انسان معاشرے میں بیک وقت کئی

---

[3] Muhammad Iqbal, Letters of Iqbal, Complied and Edited by Bashir Ahmad Dar (Lahore, Iqbal Academy, 1978) P.164

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

حیثیتوں سے زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ گھر میں کسی کا باپ، بیٹا یا شوہر ہوتا ہے۔ سڑک پر ایک شہری ہوتا ہے۔ دفتر میں کسی کا افسر اور کسی کا ماتحت ہوتا ہے۔ انسان جس وقت اور جس حیثیت میں ہو، اسے اپنی حیثیت کا مکمل ادراک ہونا چاہیے۔ اسے اپنے منصب کو پہچاننا، اس کی حفاظت کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ بالفاظِ دیگر اپنی حیثیت کو پہچاننا اور اس کے مطابق اپنے کردار اور رویے کو پیش کرنا ہی خود شناسی یا احساسِ خودی کہلاتا ہے۔

انسانی خودی کا بڑھا ہوا احساس ہی انسان کی مخفی صلاحیتوں کی آبیاری کا ضامن ہے تاہم انسانی خودی کا بڑھا ہوا ایسا احساس جس کی وجہ سے انسان متکبر ہو جائے یا اپنے جیسے دیگر انسانوں کو حقیر جانے اور ان پر ظلم و ستم کرے، ناقابلِ قبول ہے۔ اسی لیے اقبال انسانی خودی کو کسی قانون کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ انسان اپنی پوشیدہ قوتوں کو تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کرے۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی بھی انسان کو اس کی ذات کا کس قدر احساس ہونا چاہیے؟۔ اس احساس کی حدود اور معیارات کیا ہونے چاہئیں؟۔ اقبال مکتوب بنام ظفر احمد صدیقی میں حدودِ خودی کے تعین کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اسلام انسان کی باطنی قوتوں کو فنا کرنے کی حمایت نہیں کرتا بلکہ ان قوتوں کے لیے حدود معین کرتا ہے جسے عموماً قانونِ الٰہی یا شریعت[۴] کہا جاتا ہے۔

اقبال کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ تمام تر انسانی اعمال و افعال کو شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے انجام دیا جائے اور شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں انسانی خودی کی نشوونما اور حدود و قیود کا تعین کیا جائے۔ اسلام نے انسان کو عقل و شعور سے نوازا، اسے خود مختار بنایا اور حق و باطل میں فرق سمجھایا۔ گویا انسانی ''خودی آزاد ہے اور اپنے اعمال کی خود ذمہ دار ہے۔''[۵] اس حوالے سے اقبال اپنے انگریزی خطبات میں لکھتے ہیں:

"Ego is a free personal causality."[6]

اب اس بات کا دار و مدار انسان پر ہے کہ وہ اپنی دور اندیشی سے راست گوئی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ خودداری، غیرت و حمیت، بلند حوصلگی، ہمدردی، صبر و تحمل، مساوات اور اخوت و بھائی چارے جیسے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ کوششِ ناتمام اور تگ و تاز کے ذریعے اپنے مقاصد کے حصول کو یقینی بناتے ہوئے اپنی خودی کو مزید مستحکم کرتا

۴۔ محمد اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد چہارم، مرتبہ: سید مظفر حسین برنی (دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۹۸ء) ص ۴۱۳

۵۔ محمد اقبال، تجدیدِ تفکرِ اسلامی، مترجم: ڈاکٹر محمد آصف اعوان (لاہور، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء) ص ۱۸۶

[6] Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam(Lahore, Iqbal Academy, 1989) P.86

ہے یا پھر ظلم و ستم، نفرت و عناد، احساسِ کمتری، غلامی، بے معنی تقدیر پرستی جیسی حیلہ گریوں سے اپنی خودی کو پارہ پارہ کرتا ہے۔ اقبال خودی کو مستحکم کرنے اور خودی کو پارہ پارہ کرنے والے عناصر کا ذکر اپنی بیاض میں کچھ یوں کرتے ہیں:

"You must give up all those modes of activity which have a tendency to dissolve personality, e.g. humility, contentment, slavish obedience, ... On the other hand, high ambition, generosity.....fortify the sense of personality."[7]

گویا اقبال کا موقف یہ ہے کہ خودی کو تحلیل کرنے والے عوامل جن میں بے ہمتی، قناعت پسندی، ریاکارانہ اطاعت وغیرہ شامل ہیں، سے احتراز کیا جائے اور اس کے برعکس بلند حوصلگی، سخاوت اور اپنی قوت و روایات پر جائز فخر کو فروغ دیتے ہوئے اپنی خودی کو مستحکم کیا جائے[۸]۔ اقبال کا خیال یہ ہے کہ وہ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

طرزِ زندگی اختیار کیا جائے جس سے انسانی خودی تقویت سے سرشار ہو کیونکہ انسانی مستقبل کا دارومدار خودی کے استحکام سے مربوط ہے۔اس حوالے سے اقبال اپنی انگریزی نگارشات میں کہتے ہیں:

"There are only ego-sustaining and ego-dissolving acts.....for a future career."(9)

---

(7)Muhammad Iqbal, Stray Reflections, Complied and Edited by Dr.Javid Iqbal (Lahore,Iqbal Academy, 1961) P.29

۸۔ محمد اقبال، شذراتِ فکرِ اقبال، مرتبہ: ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، مترجم: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۸۳ء) ص ۷۷

(9)Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P.95

اقبال مزید کہتے ہیں:

"Life offers a scope for ego-activity and death is the first test of the synthetic activity of the ego." (10)

غرض یہ کہ حیات بعد الموت کا انحصار بھی انسانی اعمال پر منحصر ہے۔یہ انسانی اعمال ہی ہیں جو خودی کی ہلاکت یا پھر آئندہ نشوونما کا سبب بنتے ہیں۔ (11)

خدا، انسان (انسانی اعمال وافعال) اور کائنات کے باہمی ربط واختلاط کو سمجھنے کے لیے عموماً دو نظریات پائے جاتے ہیں۔پہلا نظریہ وحدت الوجود یعنی حقیقی وجود صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔اس دنیا ومافیہا میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے، وہ اسی ذاتِ مطلق کے وجود کا حصہ اور جلوہ ہے۔تمام موجودات اسی ذاتِ اقدس سے متخرج ہیں۔ان تمام موجودات کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں اور انھیں لوٹ کر اسی ذاتِ واحد میں ضم ہونا ہے۔اس اصطلاح کو "ہمہ اوست" (یعنی سب کچھ وہ ہے)(12) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وجودی نظریات کے حامی کہتے ہیں کہ انسان بھی اس دنیا ومافیہا کا حصہ ہے اور انسان نے لوٹ کر اسی ذاتِ واحد میں گم ہو جانا ہے۔جب انسان نے اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو جانا ہے تو پھر اسے سعیٔ پیہم، کوشش ناتمام اور تگ وتاز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔انسان کو چاہیے کہ وسائلِ قدرت کو استعمال کرنے کی بجائے گوشہ نشینی، مجاہدہ اور چلہ کشی کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل کرے اور اطاعتِ الٰہی میں اس قدر پختگی اختیار کرے کہ وہ ذاتِ الٰہی میں غرق ہو جائے۔غرض یہ کہ وجودی نظریات کے حامی رہبانیت، ترکِ دنیا اور خودی کی نفی کا درس دیتے ہیں۔اس کے برعکس اقبال وحدت الشہود "ہمہ از اوست" (یعنی سب کچھ اس سے ہے) کے قائل ہیں۔

اقبال کا زاویۂ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا مالک وخالق ہے۔وہ ان تمام موجودات میں جاری وساری نہیں بلکہ ان تمام موجودات کا پیدا کرنے والا ہے۔انسان احکاماتِ الٰہی کی پاسداری کے ذریعے قربِ الٰہی سے سرشار ہوتے ہوئے انفرادیت حاصل کرتا اور اپنی خودی کو مستحکم کرتا چلا جاتا ہے۔وہ کسی مقام پر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا نہیں ہوتا۔بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔خالق خالق ہی رہتا ہے اور دونوں کے مابین خالق ومخلوق ہی کا رشتہ رہتا ہے۔وجودی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

[10]Ibid

۱۱۔ محمد اقبال، تجدیدِ تفکّرِ اسلامی، ص ۲۰۱

۱۲۔ ابُو سعید نور الدین، ڈاکٹر، اسلامی تصوف اور اقبال (لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء) ص ۳۵

تصورات کے حامی خودی کے استحکام کو فنا اور بے خودی سے تعبیر کرتے ہیں۔ بقول اقبال:

"ایک اور بے خودی ہے جس کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ جو DYRIC POETRY کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس قسم سے ہے جو افیون و شراب کا نتیجہ ہے۔ (۲) دوسری وہ بے خودی ہے جو۔۔۔ ذاتِ انسانی کو ذاتِ باری میں فنا کر دینے سے پیدا ہوتی ہے۔۔۔ پہلی قسم کی بے خودی تو ایک حد تک مفید بھی ہو سکتی ہے مگر دوسری قسم تمام مذہب و اخلاق کے خلاف اور جڑ کاٹنے والی ہے۔"[۱۳]

اقبال کا تصورِ بے خودی روایتی صوفیا کے تصورِ بے خودی سے یکسر مختلف ہے۔ روایتی صوفیا بے خودی سے مراد فنائے ذات جبکہ اقبال بے خودی سے مراد استحکام و بقائے ذات لیتے ہیں۔ اقبال تصورِ خودی میں شخصی اور انفرادی خودی پر زور دیتے ہیں جبکہ تصورِ بے خودی میں اجتماعی خودی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ یعنی اقبال کے ہاں بے خودی سے مراد یہ ہے کہ فرد اپنے انفرادی مفادات کو ترک کر کے اجتماعی مفادات کو فوقیت دے۔ بالفاظِ دیگر تصورِ بے خودی نہ صرف خودی ہی کا ایک پہلو بلکہ خودی کی تکمیل و توسیع بھی ہے۔[۱۴] اقبال اپنی نثری نگارشات میں تصورِ بے خودی کی وضاحت و صراحت کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"The parts of رموزِ بے خودی (Rumuz-i Bekhudi) which deal, with the nature of the relation of the individual and society, and the character of collective life." [15]

گویا تصورِ بے خودی کا تعلق فرد اور معاشرے کے باہمی ربط اور اجتماعی زندگی سے ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے معاشرے سے کٹ کر تنہا زندگی بسر کرنا ممکن نہیں کیونکہ ہر انسان کسی نہ کسی معاشرے کا حصہ ہوتا ہے اور اسے بلند مقاصدِ حیات کے حصول و تکمیل کے لیے لازمی طور پر ایک صحت مند معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے

۱۳۔ محمد اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد اول، مرتبہ: سید مظفر حسین برنی (دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۸۹ء) ص ۳۰۷

۱۴۔ مختصر تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، مرتبہ: خواجہ محمد زکریا (لاہور، پنجاب یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۶ء) ص ۵۳۷

[15]Muhammad Iqbal, Letters of Iqbal, P.164

طور پر اگر عہدِ حاضر کی ترقی و ترویج پر غور کیا جائے تو یہ ترقی کسی فردِ واحد کی کاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے پوری انسانی تاریخ کارفرما ہے۔ اسی لیے اقبال کسی بھی قوم کے ہر فرد کی شخصی خودی کے ساتھ ساتھ افرادِ قوم کی اجتماعی خودی کی حفاظت و تربیت اور استحکام پر زور دیتے اور اسے اقوام و ملل کی حیات کا راز گردانتے ہیں۔ اس حوالے سے اقبال اپنی مثنوی "رموزِ بے خودی" کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

"ملل و اقوام کے حیات کا راز بھی اسی احساس یا بالفاظ دیگر "قومی انا" کی حفاظت، تربیت اور استحکام میں مضمر ہے۔ اور حیاتِ ملیہ کا انتہائی کمال یہ ہے کہ افراد قوم کسی آئین مسلم کی پابندی سے اپنے ذاتی جذبات

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

کے حدود مقرر کریں تاکہ انفرادی اعمال کا تباین و تناقض مٹ کر تمام قوم کے لیے ایک قلب مشترک پیدا ہو جائے۔'' (۱۶)

اقبال کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی بھی ملت یا قوم کے افراد، کسی ایک مسلم قانون کی پاسداری کریں اور اپنے ذاتی مفادات کو ترک کرتے ہوئے قوم کے اجتماعی مفادات کو فروغ دیں تو بڑے سے بڑے مقاصدِ حیات کا حصول ممکن ہو گا۔ ہیئتِ اجتماعی انسانی فطرت ہے اور ہیئتِ اجتماعی کی عمدہ ترین مثال ملتِ اسلامیہ ہے ۔ یہ ملت نظریۂ توحید پر استوار کی گئی ہے۔ دیگر تمام اقوام و ملل نے رنگ و نسل، لسان اور جغرافیائی حدود کے افتراق کی بنا پر بنی نوعِ انسان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ان کے درمیان نفرت و عناد کو پروان چڑھایا۔ یہی وہ محرکات ہیں جن کی وجہ سے بنی نوعِ انسان کی ہیئتِ اجتماعی کو بہت نقصان پہنچا۔ اس کے برعکس ملتِ اسلامیہ نے حسب نسب، زبان اور علاقائی حدود کی نفی کرتے ہوئے تمام انسانوں کو توحید کے جھنڈے تلے جمع کیا اور احکاماتِ الٰہی کو قرآن و حدیث کی صورت میں لوگوں تک پہنچایا۔ لوگوں کو اخوت و مساوات کا درس دیا۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر اقبال بلند ترین مقاصدِ حیات کے حصول اور انفرادی و اجتماعی خودی کی تنظیم و تربیت اور استحکام کے حوالے ملتِ اسلامیہ کو دیگر تمام اقوام و ملل میں سے موزوں ترین ملت گردانتے ہیں۔

اقبال خواہاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین کی پاسداری کرتے ہوئے پہلے انفرادی سطح پر خودی کی حفاظت و تربیت اور استحکام کو فروغ دیا جائے اور پھر اجتماعی سطح پر ملتِ اسلامیہ کے مجموعی مفاد کے پیشِ نظر انفرادی

۱۶۔ محمد اقبال، دیباچۂ مثنوی رموزِ بے خودی، مشمولہ: مقالاتِ اقبال، مرتبین: سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (لاہور، القمر انٹرپرائزز، ۲۰۱۱ء) ص ۲۳۳

قوتوں، صلاحیتوں اور مفادات کو وقف کیا جائے۔ مثلاً اسلام نے صدقہ، خیرات اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ اگر کوئی فرد یہ سوچے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے اس کا مال کم ہو جائے گا یا اس کے مال سے کوئی دوسرا شخص مستفید ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ اس نہج پر یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے معاشی نظام بہتر ہو گا۔ لوگ خوشحال ہوں گے ۔ جرائم میں کمی آئے گی ۔ امن و امان قائم ہو گا۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر معاشرہ ترقی کرے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس حوالے سے اقبال اپنی نثری نگارشات میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

'' حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی 'میلانات' رجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جانا ہے۔'' (۱۷)

اقبال ایسی خودی کی حمایت کرتے ہیں جو سچی بے خودی سے نمو پاتی ہے (۱۸)۔ جو اسلام کے زریں اصولوں میں مضمر ہے ۔ اقبال خودی کے اوصاف و کمالات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو خود احتسابی کی دعوت دیتے ہیں کہ انسان سب سے پہلے اپنی خودی (کے شعور) کی روشنی میں اپنا محاسبہ کرے۔ یعنی کوئی بھی انسان اپنے ذاتی اعمال و افعال کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے؟ ۔ اس کے بعد کسی دوسرے شخص کی خودی (کے شعور) کی روشنی میں اپنا محاسبہ کرے کہ لوگوں کے نزدیک وہ کیسا ہے؟ اور سب سے آخر میں اس ذاتِ مطلق کی خودی (کے شعور) کی روشنی میں اپنا محاسبہ کرے کہ کیا اس کے اعمال و افعال اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق ہیں؟ ۔ اگر کوئی انسان اُس نورِ حق کے سامنے قائم و دائم کھڑا رہ گیا تو وہ خدائی صفات کا حامل بن کر حیاتِ جاودانی اور بقائے دوام سے ہمکنار ہو جائے گا (۱۹)۔ اس حوالے سے اقبال اپنی انگریزی نگارشات میں لکھتے ہیں:

"The first witness is thine own consciousness...

The second witness is the consciousness of another ego...

The third witness is God's consciousness...

See thyself, then, with God's light.

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

۱۷۔ محمد اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد اول، ص ۳۰۷

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۹۷

۱۹۔ خواجہ حمید یزدانی ،ڈاکٹر، شرحِ جاوید نامہ (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء) ص ۳۰

If thou standest unshaken in front of this light,

Consider thyself as living and eternal as He!" (20)

"پہلا گواہ تمھارا اپنا شعور ہے۔۔۔

دوسرا گواہ کسی دوسری خودی کا شعور ہے۔۔۔

تیسرا گواہ خدا کا شعور ہے۔۔۔

تو پھر اپنے آپ کو خدا کے نور سے دیکھو۔

اگر تم اس نور کے سامنے غیر متزلزل کھڑے رہو۔

تو اپنے آپ کو اتنا ہی زندہ اور ابدی (حي و قیوم) سمجھو جتنا کہ وہ (خدا) ہے۔" (۲۱)

غرض یہ کہ اقبال نے اپنی نثری نگارشات میں فلسفۂ خودی و بے خودی میں شخصی و اجتماعی خودی کے حوالے سے جن مباحث کی تشریح و توضیح کی ہے۔ انھیں ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے انسانی خودی کی جانچ پرکھ اور استحکام و استقلال کو یقینی بنانا ممکن ہے۔

---

(20) Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P.157

۲۱۔ محمد اقبال، تجدیدِ تفکرِ اسلامی، ص ۳۱۱